© rasailojaraid.com

# پاکستان میں اسلامی اور مغربی تہذیبی کشمکش

## (ایک تجزیاتی مطالعہ)

ارشاد احمد راشد☆

**ABSTRACT**

The movement for an Independent, sovereign & Ideological State Pakistan has two major goals To protect the values, faiths and traditions of Islamic civilization.

To safe guard the economic interests and enhance of the economic conditions of the Muslim Community of South Asia. The early death (1948) of Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinnah (1876-1948) and the painful martyrdom (1951) of the first Prime minister of Liaquat Ali Khan (1897-1951) became the major causes for the unsolvable problems, difficulties & the crises. Consequently Pakistan has become an arena of different sects, pressure groups & even then Army of Pakistan. Side by side the clash of the Islamic & Western Civilizations has become an essential part the Society of Pakistan.

In this article an effort had been made to provide an analytical study of the causes & the consequences of the conflict of Islamic & Western Civilization.

جنوبی ایشیاء میں مغل حکومت (1526-1857) کے خاتمے کے بعد انگریز اقتدار (1857) پر قابض ہوئے۔ انھوں نے اقتدار چونکہ مسلمانوں سے حاصل کیا تھا اس لیے ان کے خیال میں مسلمان ہی ان کے بڑے دشمن تھے۔ مسلمانوں کو دوہرے چیلنج کا سامنا تھا۔ انگریزوں نے روز اوّل سے ہی مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھا۔ 1765ء میں لارڈ کلائیو رابرٹ (1725-1774) نے شاہ عالم ثانی (1759-1806) سے بنگال کے دیوانی اور مالی محکموں سے وابستہ تھے۔ روزگار کھو بیٹھے۔ کمپنی نے ان عطیات پر بھی قبضہ کر لیا جو مسلم حکمرانوں نے مدارس اور خانقاہوں کو بخشی تھیں۔ بیک جنبش قلم آٹھ ہزار (8000) وقف منسوخ ہو گئے۔ (۱)

---

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ تاریخ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جس سے مسلمانوں کا تعلیمی نظام اپنا استحکام کھو بیٹھا۔1792ء میں لارڈ چارلس کارنوالس (1738-1805) نے بنگال میں (بندوبست دوامی) نافذ کیا نتیجتاً وہ ہندو محصلین جو اس وقت چھوٹی چھوٹی نوکریاں کرتے تھے زمیندار بن گئے کیونکہ انھیں زمین پر مالکانہ حقوق حاصل ہو گئے۔(۲)

اب مسلمان زمیندار تنگ ہو گئے اور نوبت یہاں تک آ گئی کہ مسلمان زمیندار کا تناسب 5% رہ گیا ۔فارسی کی بجائے انگریزی سرکاری زبان قرار دے دی چنانچہ انگریزی سے ناواقف افراد ملازمتوں کیلئے نااھل ہو گئے چنانچہ زمینداری کیساتھ ساتھ سرکاری ملازمتوں سے بھی بے دخل ہو گئے۔(۳)

مسلمانوں کے نظام عدلیہ کی جگہ برطانوی طرز کی عدالتوں کے قیام سے مسلم اشرافیہ کو عدلیہ سے محروم کر دیا گیا بات یہیں تک محدود نہ رہی مسلم جولاہوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک ۔مسلم صنعتوں پر غیر منصفانہ قوانین کا لاگو کرنا اور تجارتی لین دین میں گماشتوں کا کردار وہ حکمت عملی تھی جس نے اس ملک کی درآمدات کا گلا گھونٹ دیا۔(۴)

جس کی زد بھی مسلمانوں پر پڑی کیونکہ ہندو بیرونی تجارت میں شریک نہیں تھا کیونکہ اس کے نظریہ و مذہب کے خلاف تھی۔مغربی مستشرقین نے اسلام کی مخالفت کو اپنا شعار بنالیا تھا جو کہ یورپ کی قدیم دشمنی سے بھی تعلق رکھتا تھا۔کیونکہ مغربی مسیحی تہذیب کو اپنے سن بلوغ کے وقت مسلمانوں سے صلیبی جنگیں لڑنا پڑیں۔ اس میں مغربی تہذیب کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا چنانچہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت مغربی مسیحی تہذیبی کی فطرت بن چکی ہے چنانچہ جو فاتح اپنی وراثت میں نفرتیں اور انتقام لے کر آئے ہوں اور ان کو یہاں پر سراج الدولہ آف بنگال (ف 1757) ٹیپو سلطان آف میسور (ف 1799ء سید احمد شھید (1786-1831) اور فرائضی تحریک (1831) سے نبرد آزما ہونا پڑا ہو پھر 1857ء میں سب سے زیادہ سخت وقت بھی اسی قوم نے دیا ہو تو اس کے خلاف انتقامی کاروائیاں کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ۔ انگریز حکمرانوں نے اس کو چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی ،ساری دنیا کو اخلاق، مساوات، قانون اور آئین کی پاسداری کا درس دینے والی قوم جوش انتقام میں اندھی ہو رہی تھی ۔انتقام کی آگ بجھانے کیلئے انھوں نے ایک طرف تو چھوٹے چھوٹے جرم پر پھانسی ۔کالے پانی اور جائیداد ضبطی کی سزاؤں کا اعلان کیا اور دوسری طرف یہ پالیسی اختیار کی کہ ہندوؤں کو زیور تعلیم سے آراستہ کر کے صرف انھیں ہی آگے بڑھایا جائے۔انگریزوں نے اپنی پالیسی کا برملا اظھار بھی کیا۔چنانچہ لارڈ ایلن برا، نے 1842ء میں ڈیوک آف ویلنگڈن کو لکھا کہ ہمیں کل آبادی کے 9/10 حصہ یعنی ہندوؤں کی سرپرستی کرنا چاہیے کیونکہ وہ ہمارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



نہایت وفادار ہیں۔(۵)

اسی طرح ولیم ہنٹر (1840-1900) نے بھی لارڈ ایلین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں اپنی آنکھوں کو کیسے بند کرلوں جب کہ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ مسلمان بحیثیت قوم ہمارے لیے دشمنی کا جذبہ رکھتے ھیں۔اور اس کا توڑ یہی ہے کہ ہم ہندوؤں کے سر پر ھاتھ رکھیں(۶)

بزات خود ولیم ہنٹر کا بھی یہی خیال تھا کہ مسلمان بحثیت مجموعی بے حد ذھین وفطین، ہوشیار و باخبر، منظم اور مسلح لیکن ہمارے بنیادی حریف(۷)

لہذا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انگریزوں کی مسلمانوں کے ساتھ یہ نفرت گہری ہوتی چلی گئی۔ بنگال سے لے کر سندھ کی فتح تک ہندوؤں نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔اور انگریزوں کو بھی مسلمان حکمرانوں کے خلاف کاروائی کیلئے حکومت کے عام کارندوں کے طور پر مددگار چاہیے تھے۔لہٰذا انھوں نے ابتداء ہی سے انھیں حامی بنالیا اور دوسری طرف ہندوؤں نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا۔(۹)

ہندوؤں نے مغربی تعلیم اور انگریزی زبان وتمدن سے واقفیت حاصل کی اور حکومت اور نوکریوں پر قابض ہوھوگئے۔دشمنی کی وجہ سے مسلمان علماء نے شروع سے ھی انگریزوں کی مخالفت کو برقرار رکھا اور ان کی ہر اچھی بات کو بھی یہاں کے مسلمانوں نے اپنے لیے بڑا خیال کیا اور انگریزوں کی بنائی ہوئی چیزوں کو حتیٰ کہ مغربی نظام تعلیم کو بھی اپنے لیے حرام تک قرار دے دیا۔لہٰذا مسلمانوں نے جدید تعلیم وٹیکنالوجی کو حاصل کرنے میں دیر کی اور اس طرح ایک پسماندہ قوم میں تبدیل ہوگئے۔(۱)

ان ناگفتہ بہ پرآشوب حالات میں سرسید احمد خان (1817-1898) میدان عمل میں اترے ان کے کام کا دائرہ کار ہر شعبہ زندگی پر محیط ھے۔لیکن سب سے اہم پہلو یہ ھے کہ انھوں نے ایک طرف رسالہ ؛اسباب بغاوت ہند؛ لکھ کر انگریزوں کو ان کی غیر دانشمندانہ پالیسی کا احساس دلایا جس کی وجہ سے انگریزوں نے کسی حد تک مسلم کش پالیسی پر نظر ثانی کی۔دوسری طرف انھوں نے مسلمانوں کو ہندوؤں کے مسلم دشمن عزائم کی طرف متوجہ کیا اور اس کے سد باب کیلئے باقائدہ منصوبہ بندی کی چنانچہ انھوں نے مغربی پارلیمانی نظام، مقابلے کے امتحانات کا انعقاد، کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت اور فارسی وار دو کی جگہ دیوناگری رسم الخط میں بھاشا زبان کو سرکاری زبان قرار دینے کی مہم کی زبردست مخالفت کی۔انھوں نے کانگریس کے صدر بدرالدین طیب کو 1888ء میں لکھا کہ!

کیا میرے دوست طیب جی ان جزئیات کو نظر انداز کرتے ہوئے جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مشترک ھیں۔ مجھے بتلائیں گے کہ کوئی ایک بھی بنیادی سیاسی مسئلہ ایسا ھے جو کانگریس کے سامنے پیش کیا جائے اور وہ مسلمانوں کے خلاف نہ ہو۔

یہ بات سرسید ہی نہیں کہ رہے تھے مؤرخ گارساں دتاسی نے لکھا ھے کہ ہندو اپنے تعصب کی بناء پر ایسے کام میں مزاحم ہوتے ھیں جو ان کو مسلمانوں کے دور حکومت کی یاد دلائے۔ سرسید احمد خان کی ان کوششوں اور ان کے نتائج کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ھے کہ سرسید وہ پہلے مسلم رہنما تھے جنھوں نے برطانوی ہند میں دوقومی نظریہ پیش کیا اور اس معاشرتی کیفیت کی بھرپور اور مدلل انداز میں نشاندھی کردی۔ جو ہند کی معاشرتی زندگی کی ایک بہت بڑی حقیقت تھی انھوں نے دوقومی نظریہ پیش کر کے اور وہ بھی برطانوی ہند میں جہاں بسنے والی کثیر نسل انسانی میں کوئی ہم آہنگی نہیں۔ نیز اکثریت کی حکومت کے سلسلے میں دشواریوں کی نشاندھی کر کے انھوں نے نہ صرف حقیقی مسئلہ پر انگلی رکھ دی بلکہ بالواسطہ حل بھی پیش کردیا۔ کہ ایسی قوموں کو ایک ھی نظام کے تحت چلانے سے حکومت کا وجود ھی نہیں رہے گا۔ کیونکہ سرسید احمد خان کی دوربین نگاہیں دیکھ چکی تھیں۔ کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان حقیقی اتحاد کا ہونا بالکل ناممکن ہے۔ اس اتحاد کیلئے جلال الدین محمد اکبر (1556-1605ء) نے بڑی ریاضت کی اور اس نے گوشت موقوف کردیا۔ ہندوؤں کے مذہبی تہواروں میں شرکت کی حتٰی کہ ایک نیا دین؛ دین الٰہی؛ جاری کیا۔ لیکن ہندو مسلم اختلافات ختم کرنے اور دونوں قوموں میں باہمی اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کی تمام کوششیں جنھیں مکمل طور پر سرکاری ترغیب و تحریص حاصل تھی۔ اکبر کے جانشین نورالدین جہانگیر (1605-1627ء) کے دور میں ھی ختم ہوگئیں حالات کے اس پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے رچرڈ سمنڈر، سرسید احمد خان کے بارے میں لکھتا ھے کہ، سیاست کے میدان میں انھوں نے کہا تھا کہ مسلمان ایک قوم ھیں اور نہ ھی ایسا کیا جانا چاہیئے۔ نیز یہ کہ اھل پاکستان سرسید کے بارے میں یہ دعوٰی کرنے میں حق بجانب ھیں کہ وہ اس ملک کے بانیوں اور خالقوں میں سے ایک ھیں''۔ (۱۲)

قائداعظم محمد علی جناح اس وقت سرسید احمد خان کی فکر کی ھی ترجمانی کر رہے تھے جب وہ یہ کہہ رہے تھے کہ قومیت کی ہر تعریف کی رو سے مسلمان ایک قوم ھیں۔ اس لیئے ان کو الگ وطن چاہیئے جہاں ہم آزادی و خودمختاری کے ساتھ نہ صرف اپنی تہذیب نظریہ اور اقدار کے مطابق زندگی بسر کرسکیں بلکہ ایک آزاد و خودمختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ معاملات کریں۔ ہماری قوم کے کروڑوں افراد نے ہم پر یہ مقدس فریضہ عائد کیا ھے کہ ہم کوئی ایسا باعزت اور پرامن حل نکالیں جو سب کے حق میں منصفانہ ہو مگر یہ بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



واضح رہے کہ ہم پر دھمکیوں اور تخویف کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا اور جو نصب العین ہم نے متعین کرلیا ھے اس کے حصول کیلئے تمام نتائج وعواقب کو سامنے رکھتے ہوئے کمربستہ ہوجائیں اس کے لیے لازمی ہے کہ دوستوں! تم قطعی فیصلہ کرلو اور پھر تدابیر پر غور کرو۔ اپنی تنظیم کو مستحکم کرو۔ صفوں میں تنظیم پیدا کرو۔ مجھے یقین ھے کہ وہ طاقت بنو گے جس کو ھر شخص تسلیم کریگا۔'(۱۳)

یہ ایک بہت بڑی پیش رفت تھی۔ کھوئے اقتدار کی بازیافت ایک ایسا نصب العین جو برصغیر پاک وھند کی ملت اسلامیہ کے تحت الشعور سے کبھی محو نہیں ہوا تھا۔ ھر آنیوالے لمحے نے اس نصب العین کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کی تھی کیونکہ ان کو ھر مرحلہ پر اپنے ملی انفرادیت کے تحفظ کا چیلنج درپیش تھا۔ اکثریت کی رو سے معاشی استحصال کی بناء پر ان کے وجود اور بقاء کو سنگین خطرات لاحق تھے۔ اکثریت کی چیرہ دستیوں سے بچنے کے لئے وھی ایک واحد راستہ تھا کہ وہ جہاں جہاں اکثریت میں ھیں وھاں وہ اپنے معاملات میں خودمختار ھوں۔(۱۴)

ایک آزاد و خودمختار مملکت کا حصول صرف اور صرف اس لئے نصب العین قرار دیا گیا تھا کہ یہی کوشش تاریخ کی سب سے بڑی شہادت تھی۔ یہ تاریخ کا فیصلہ تھا جس سے گریز نہیں ھوسکتا تھا۔ جس کو کانگریسی قیادت۔ نام نہاد نیشنلسٹ مسلمان اور برطانوی حکومت تہ ایک طرف تمام قوتیں مل کر بھی نہیں روک سکتی تھیں۔ اور نہ ھی روک سکیں۔ نتیجتاً 14 اگست 1947ء کو ایک آزاد خودمختار مملکت، مملکت خداداد پاکستان معرض وجود میں آگئی۔ پاکستان بننے کے بعد عام لوگوں کا خیال تھا کہ ایک اسلامی ریاست ھوگی جس میں وہ اپنی زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق بسر کرسکیں گے۔ کیونکہ قائداعظم نے کہا تھا کہ 'ایسی مملکت قائم ھو جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رھیں۔ جس کو ہم اپنے مزاج اور ثقافت کے مطابق ترقی دیں۔ اور جس میں اسلامی عدل اجتماعی کے اصول آزادی کے ساتھ لائیں جائیں'(۱۵)

یہی وجہ ھے کہ پاکستان بننے کے بعد یہ مطالبہ رہا کہ اسلامی طرز حکومت قائم ھو اور دو متصاد آراء سامنے آئیں۔ ایک طرف تو برطانوی دور کی پارلیمانی روایات و تربیت جس کی بنیاد 1935ء اور 1947ء کے ایکٹ بنے جو حکومت قائم کرنے اور چلانے کیلئے بنیادی قانون تھے۔ اور دوسری طرف اسے مذہبی طور پر ایک لادینی اور مغربی طریقہ کار سمجھا گیا۔ بالآخر مذہبی قوتیں پسپا ہوگئیں کیونکہ مذہبی فریق سیاسی طور پر تربیت یافتہ نہیں تھا۔ نتیجتاً سیاسی انتشار پھیلتا چلا گیا اور ملک ترقی کی راہ پر گامزن نہ ھوسکا۔(۱۶)

لیاقت علی خان نے 7 مارچ 1949ء کو جو قرارداد مقاصد پیش کی اس میں کہا گیا تھا کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ھوگی اس کے بعد بنیادی اصولوں کی کمیٹی قائم ھوئی تو اس میں بھی کہا گیا تھا کہ آئین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اسلامی ہوگا لیکن ایسا نہیں ہوا۔(١٧)

اسی طرح لیاقت علی خان نے 14 جنوری 1950ء میں پشاور میں کہا تھا کہ پاکستان ہمارے لیے ایک تجربہ گاہ ھے اور ھم دنیا کو دکھلائیں گے کہ تیرہ سو برس پرانے اسلامی اصول کس قدر کارآمد ھیں۔اسی طرح ایک دوسرے موقع پر انھوں نے کہا کہ ھم نے پاکستان کا مطالبہ صرف اس بنا پر کیا تھا کہ مسلمان اپنی زندگی اسلامی احکامات کے قالب میں ڈھالیں۔ھم نے ایک ایسے ملک کے قیام کا مطالبہ کیا تھا۔ جہاں ایک ایسی حکومت بنائی جا سکے جو اسلامی اصولوں پر مبنی ہو جس سے بہتر اصول دنیا پیش نہ کر سکے۔(١٨)

بعد میں لیاقت علی خان کے زمانے میں ھی یہ مسئلہ سامنے آ گیا تھا کہ آئیندہ آئین میں اسلام کو کیا مقام و مرتبہ حاصل ہوگا۔ یہی وجہ ھے کہ لیاقت علی خان کے زمانے میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ کی توثیق بھی نہیں ہو سکی تھی۔اور اسلامی ریاست کی اصطلاح کی 1954ء تک کوئی واضح تعریف نہیں کی جا سکی تھی۔خود علماء میں بھی اس اصطلاح اور واضح تعبیر میں اختلافات تھے۔اور لیاقت علی خان کی وفات (16 اکتوبر 1951ء) کے بعد ملک کی تاریخ میں ان ہی اختلافات میں اضافہ ھوا اور اس کے بارے میں بے لچک رویہ کی عکاسی ہوتی ھے۔(١٩)

حکمراں طبقہ چونکہ مغربیت زدہ تھا اور اس کے نزدیک اسلامی نظام کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ وہ وقت کے جدید تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت سے خالی تھا۔چنانچہ اسلامی نظام کے داعی گروہ کا یہ فرض اولین تھا کہ وہ اسلامی روح اور مقاصد کے از سرنو ترتیب دینے، پاکستانی معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے، آئین کو اسلامی بنانے ذہنی، انتشار اور اخلاقی فساد کے معلوم و معروف ناکوں اور سرچشموں کو بند کرنے کیلئے کوئی جرات مندانہ اقدام کرتے مگر کسی طرح بھی ان اعلٰی وارفع مقاصد کی تکمیل کے لیئے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔(٢٠)

جبکہ مغربی تہذیبی اقدار کو فروغ دینے کے لیے مغربی جدّت پسندوں نے سیاسی تہذیبی اور ثقافتی میدان میں دجل وفریب، بدعہدی و بے وفائی اور مکاری اور سیسہ کاری کا مظاہرہ کیا ھے عہد حاضر کے اس بدترین استعمار نے ایک جانب مسلمانوں کی بحیثیت مجموعی غیرت وحمیت اور خودداری و عزت نفس کو کچلنے کیلئے وہ تمام حربے استعمال کئے جو ہمیشہ سے استعماری قوتوں کا معمول رھے ھیں۔یعنی:(٢١)

اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَدَخَلُوْا قَرْیَتہً اَفْسَدُ ھَا وَجَعَلُوْا اَعِزَتہَ اَھْلِھَا اَذِلَّتہً ج (النمل: ٣٤)

یقیناً بادشاہ جب کسی بستی (یا ملک) میں (فاتحانہ) داخل ہوتے ھیں تو اس میں فساد برپا کر دیتے ہیں اور اس کے باعزّت لوگوں کو ذلیل کر ڈالتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



آج عصر حاضر میں کشمیر، لبنان، فلسطین، افغانستان اور عراق میں اس کے مظاہرے دیکھے جا سکتے ھیں اس ظلم، بربریت اور غلبہ کی خواہش کے اثرات پاکستان پر بھی پڑے۔ پاکستان میں بھی مغربی تہذیب و تمدن کی ترویج اور ثقافتی انقلاب کے ذریعے نئی نسلوں کا اپنے ماضی سے کامل انقطاع جو قومی ملی سطح پر قتل عام سے ہرگز کم نہیں اور گویا " يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ " کی جدید اور مہذب صورت ھے۔(۲۲)

میں نے دیکھا ھے کہ فیشن میں الجھ کر اکثر تم نے اسلاف کی عزت کے کفن بیچ دیئے!
نئی تہذیب کی بے روح بہاروں کے عوض اپنی تہذیب کے شاداب چمن بیچ دیئے!

اس میں شک نہیں کہ معاشی اور اقتصادی ترقی، سائنس اور ٹیکنالوجی کی مرہون منت ھے۔ اور یہ ملک وقوم کی استحکام کے لیئے ضروری ھے مگر مغربی چارہ گروں نے معاشی ترقی کی آڑ میں ہماری روائیتی ادبی ثقافتی اور تہذیبی اقدار کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ زمانے کے ذہنی ارتقا کی تاریخ ادبی تخلیقات کے زکر کے بغیر بیان نہیں کی جاسکتی۔ قبل مسیحی صدیوں سے لے کر آج تک یہ انسانی تہذیب وتمدن کا فطری زریعہ اظہار ہی نہیں اس کا بے ساختہ تقاضا بھی رہا ھے۔ ادب نہ صرف انسانی روح کا عطر ہے بلکہ کسی بھی معاشرے کی علمی و تہذیبی گہرائی، وسعت فکر ونظر، پرواز تخیل اور اس کی کثیر الجہتی بصیرت کا سب سے بڑا پیمانہ ھے۔(۲۳)

جب کہ مغربی جدت پسندوں کے نزدیک عورت کی بے باکی اور مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے ہوٹلوں ریستورانوں دفتروں اور قہوہ خانوں میں عورت کی موجودگی تہذیبی وتمدنی ترقی کی علامت ٹھرا۔ پاکستان میں اسی گروہ نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ '' آزادی نسواں '' کی تحریک بھی اسی گروہ کا کارنامہ ہے۔ اس تحریک نے ہمارے عائلی وسماجی نظام کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ اور عصمت وعفت کے معیارات ختم کر دیئے۔ اور اس طرح گویا " وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ " کی ایک جدید تفسیر عملاً پیش کردی۔(۲۴)

مغربی دانشوروں اور جدت طرازوں نے عورت کی آزادی کے ساتھ مرد کو بھی آزاد کردیا اور اسے اس کی مرضی، پسند اور خواہش پر چھوڑ دیا اور جواز یہ پیش کیا کہ مغربی جمہوریت بھی تو آزادی ہی کا نام ھے۔ اور اس مغربی جمہوری نظام کو پاکستان کے علاوہ اور بھی کئی اسلامی ممالک قبول کیئے ھوئے ھیں۔ علماء مذہبی انتہا پسند بھی اسی نظام کا حصہ ھیں۔ ہمارے ملک میں اکثر سیاسی اور مذہبی رہنما بھی جمہوری اقدار کے فروغ پر زور دیتے رھے ھیں اور بعض دانشور تو مغربی جمہوریت کو اسلام کے مطابق قرار دیتے ھیں۔(۲۵)

جمہوری نظام میں اصولی طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ھے کہ اقتدار اعلیٰ یا آخری فیصلہ عوام کے پاس ھے۔ یعنی اقتدار اعلیٰ عوام کو حاصل ھے۔ لیکن اسلامی نقطہ نظر سے اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ھے۔(۲۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مغربی جمہوریت کے تصور کا اصل مقصد عوام کی آزادی کا تحفظ ہے۔ جبکہ اسلامی نظام میں خدا کی حاکمیت کو تسلیم کروا کر آزادیوں کے بہتر تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔ دراصل جمہوریت ایک طرز عمل، رویوں اور تہذیبی قدروں کی ترجمانی کرتی ہے۔ جس کے سیاسی ڈھانچے کو حالات سے ہم آہنگ کر کے اس طرح مرتب کیا جاتا ہے۔ جس میں تمام افراد عوامی امور میں شرکت کر سکیں۔(۲۷)

لیکن اسلامی حکومت میں ایسے تصورات کا سہارا نہیں لیا گیا بلکہ اس میں خدا کی حاکمیت کو آئینی طور پر تسلیم کر کے شخصی آزادیوں کے تحفظ کی ضمانت فراہم کی گئی ہے۔ اسلامی نظام سیاست میں حکومت اور شہریوں کے تمام افعال پر پابندی عائد کرنے کا اختیار کسی انسانی ادارے کو نہیں بلکہ ایک بلند و بالا ہستی کو حاصل ہے۔ درحقیقت کسی فرد یا کسی انسانی ادارے کو تمام اختیارات دے کر شخصی آزادی کے تحفظ کی ضمانت نہیں دی جا سکتی کیونکہ انسان میں بحر حال کمزوریاں ہوتی ہے۔(۲۸)

ہمارے یہاں علماء کرام اسلامی نظام حکومت کے حامی ہیں۔ اور علماء کے نزدیک مغربی طرز حکومت یعنی جمہوریت قابل قبول نہیں ہے۔ اور جمہوریت کی مخالفت صرف اس لیے بھی کرتے ہیں کہ اسے عمومی طور پر ایک سیکولر نظریہ قرار دیا جاتا ہے۔ جس میں مذہب و ذات کی کوئی قید نہیں ہے۔ اور آج دنیا کی تقریباً تمام جمہوریتوں نے سیکولرازم کو اپنے دستور میں شامل کیا ہوا ہے۔(۲۹)

اسی لیے جمہوریت میں کلیدی مناصب پر غیر مسلموں کا تقرر کیا جا سکتا ہے۔(۳۰)

جمہوری نظام کی مخالفت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں ہر بالغ مرد و عورت کے ووٹ کو یکساں قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک عالم اور ایک جاہل یکساں قرار دیے جاتے ہیں۔ جبکہ درحقیقت یہ برابر نہیں ہو سکتے۔ اس کے علاوہ جمہوریت میں ایک عورت ملک کی سربراہ ہو سکتی ہے۔ اور ہر مقدمے میں اس کی گواہی مرد کے برابر تصور کی جاتی ہے۔ اور اہمیت اکثریت کے فیصلے کو دی جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی جمہوری نظام میں جماعتی نظام رائج ہے۔ اور اس سے ملک میں جماعت بندی یا گروہ بندی سامنے آتی ہے۔ جس سے ملک حصوں میں بٹا ہوا نظر آتا ہے۔(۳۱)

مندرجہ بالا خاص خاص باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے علماء کرام نے ہمیشہ اس نظام کی ہے وہ جانتے ہیں کہ انسانیت کے مقاصد کا صحیح اور مکمل حل اسلام میں ہے۔ اور اسلام نے جو اصول حاکم و محکوم کیلئے رائج کیے ہیں۔ صرف انہیں پر عمل کر کے انسانیت ایک نئی زندگی سے بہرہ ور ہو سکتی ہے۔(۳۲)

دوسری طرف علماء کرام نے اسلامی نظام حکومت کے متعلق کئی مسئلوں پر خاموشی اختیار کی ہے۔ یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



پھراس کی صحیح ترجمانی نہیں کی ان میں سے ایک اہم مسئلہ آئین سازی کا ھے کہ مملکت کا آئین کس طرح بنے گا اوراس پر عمل کی کیا شکل ہوگی کیونکہ عدالتیں صرف قانون کا اطلاق کرواتی ھیں۔ جبکہ قانون سازی کا طریقہ کار مختلف ھوتا ھے۔ یہ دونوں مسئلے اپنی جگہ اہمیت کے حامل ھیں۔ اوران پہلوؤں پر کما حقہ گفتگو بحث وتمحیص اور علمی وتفصیلی جائزے پیش نہیں کیے جاسکے۔ البتہ ہر دور میں مسلم اہل فکرودانش نے حالات کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ھوئے دامے، دردمے، قدمے، سخنے کوششوں کا تسلسل برقرار رکھا ھے۔ اس طرح پاکستان میں اس امر کی کوششوں کا یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ اسلام کے اساسی تصورات اوراسکی حقیقی روح رائے عامہ کا مطالبہ بنا رہا۔ (۳۳)

لیکن یہ بات اپنی جگہ پر اہم ہے کہ آج تک جتنے بھی انتخابات ھوئے ھیں۔ علماء کرام نے اس جمہوری طریقے کی مخالفت کے باوجود انتخابات میں حصہ لیا ھے۔ اور ہمیشہ اس مطلوبہ معیار کی رائے عامہ سے توثیق حاصل نہیں کرسکے جسکی توقع کی جاتی رہی ھے۔ مخالفت کے باوجود انھوں نے اس لیے انتخابات میں حصہ لیا کہ اس کے ذریعے ہی وہ اسمبلیوں میں جاکر اسلامی قوانین کے نفاذ کے متعلق آواز اٹھا سکتے ھیں۔ لیکن اب بین الاقوامی سیاسی منظرنامے میں پاکستان میں اسلامی نقطہ نظر سے تبدیلی رونما ہورھی ھے۔ عوام الناس اسلامی عدل وانصاف پر مبنی معاشرے کے قیام کی ضرورت اور اہمیت کو محسوس کرنے لگے ھیں۔ اور ماضی میں مختلف ادوار میں قوم نے اس کا ثبوت بھی فراہم کیا ھے۔ جبکہ مغربی تہذیب لسانی تعصبات کو ہوا دے کر قوم کو فرقوں گروھوں ذات اور برادریوں میں الجھا کر مسلم معاشرے کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا چاھتی ھے۔ ملکوں اور ریاستوں کی تشکیل جغرافیائی بنیادوں پر ہوتی ھے۔ قوموں اور ملکوں کی پہچان ان کے ریاستی تشخص کی رہین منت رہتی ھے اوراس کے برعکس بھی یعنی قوموں اورنسلوں کی بنیاد پر ملکوں کی پہچان ہوتی ھے۔ دین اسلام جاہلیت کے وطنی، نسلی اور قومی تعصبات کی جڑ کاٹ دیتا ھے۔ اسلامی معاشرے اور حکومت میں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ھے۔ اور بندگان خدا تمام ارضی معاملات کو اس کے حکم کے مطابق چلانے کے پابند ھیں۔ مفکر پاکستان علامہ اقبال اور بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے بھی قومیت اور وطنیت کے اسی اسلامی تصور کو اجاگر کیا ھے یہی اسلامی قومی تصور، نظریہ پاکستان کی بنیاد بنا۔ انہی اسلامی تعلیمات و تصورات سے مسلمانوں کے تشخص کی بنیاد متعین ھوتی ھے اور یہی نظریات پاکستان کی اساس ھیں۔ پاکستان کی نظریاتی اور تہذیبی اساس کی اقدار پر فطری طور پر بھی مغربی اقدار سیکولرازم اور فاشزم غلبہ حاصل نہیں کرسکتے۔ عصر حاضر میں جس تہذیبی تصادم کا آغاز ہوا ھے۔ اس کے نتیجہ میں ایک تہذیب دوسری پر غلبہ کے لیے سرگرم عمل ھے۔ پاکستان میں بھی اسلامی تہذیب کو اپنی بقا کی جنگ لڑنا ہوگی ورنہ مملکت کا نظریاتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تشخص تباہ ھو جائیگا۔ جس کے لیے ہزاروں شہداء نے اپنا خون دیا۔ لاکھوں لوگ بے گھر ہوے۔ خصوصاً نائن الیون کے واقعہ کے بعد اس نظریاتی مملکت کے مسائل اور مشکلات میں اضافہ ہوا ھے۔ ان مسائل سے عہدہ براں ہونے کے لئے پاکستانی معاشرے اور سوسائیٹی کو اسلامی تہذیب و تمدن کے سانچے میں ڈھالنا ھوگا۔ رائے عامہ کا یہ مطالبہ قومی شعور کی جگہ حاصل کر چکا ھے۔ اسے منزل مراد تک پہنچنے کیلئے عوام الناس نے اسی جذبے اور عمل کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ جس کی نمو قائد آعظم محمد علی جناح کی قیادت میں ہوئی تھی۔ جس جذبے اور ایمان و یقین کے ساتھ قوم نے اس نعرے کو رگ جان بنایا تھا کہ بٹ کر رھیگا ہندوستان۔ لیکر رھیں گے پاکستان، اسی کی بازگشت پاکستان کا مطلب کیا لاَ اِلٰہَ اِللّٰہَ میں سنائی دیتی رھی قوم نے ہر ہر مرحلہ اور ہر ہر گام پر اسی فکر کو فیصلہ کا روپ دیا۔ 1948ء کی جماعت اسلامی کی اسلامی آئین کی تحریک ھو یا مولانا شبیر احمد عثمان کی آئین ساز اسمبلی میں جدو جہد، مارچ 1949ء میں قرارداد مقاصد کے منضبط کرنے کا مرحلہ ھو یا 1953ء کی قادیانی تحریک یا 30 اپریل 1970ء کا یوم شوکت اسلام بھٹو دور کی 1974ء کی مرزائی تحریک ہو یا 1977ء کی تحریک نظام مصطفیٰ کا موقع۔ قوم نے کسی بھی مرحلہ کو نہ نظرانداز کیا اور نہ ھی کسی بھی قربانی سے دریغ۔ قربانیوں کا یہ تسلسل اس امر کی گواھی دیتا ھے کہ نہ تو شہدائے پاکستان کے مقاصد کی تکمیل ہوئی ھے نہ ھی کھوئی ھوئی مسلم سلطنت کا احیاء اور سب سے گرانقدر پہلو یہ ھے کہ عوام الناس بھی ابھی تک ہنوز تشنگی محسوس کر رھی ھے۔ لیکن قوم نے ابھی تک منزل مراد کو محو نہیں ہونے دیا۔ اور اس امید و یقین کو ابھی تک ہاتھ سے نہیں چھوڑا جو 23 مارچ 1940ء کو قائد آعظم کی قیادت میں ان کا مقدر نصیب بنا تھا۔ تاریخی عوامل، عوامی جذبے، اور اسلام کی حقانیت اس امر کی گواہی دیتے ھیں کہ وہ پاکستان بھی جلد ظہور پذیر ھوگا جو ریاست مدینہ کا پرتو ھوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



## حوالہ جات وتوضیحات


۱۔ ایم۔اے۔ایچ اصفہانی Quaid-i-Azam As I Knew Him کراچی 1976ء ص 11

۲۔ مولوی احمد بنگلوری: مسلمانوں کا روشن مستقبل۔لاہور

۳۔ اصفہانی بحوالہ سابقہ ص 11

۴۔ تفصیل کے لیے خورشید مصطفیٰ رضوی جنگ آزادی دھلی، 1959ء

۵۔ حوالہ محمد امین زبیری، مسلمانوں کی سیاست ملی، (س۔ن)(م۔ن)، ص 16 مزید دیکھئے
ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر Our Indian Muslamnas کلکتہ 1945ء ص 3

۶۔ ایضاً ص، 144 تا 145

۷۔ ایضاً

۸۔ بحوالہ، مولانا سید ابوالحسن ندوی، ص ۔122

۹۔ تفصیل کے لیے، ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر Our Indian Muslamnas

۱۰۔ محمد امین زبیری، تزکرہ سرسید، لاہور طباعت دوئم ص 177

۱۱۔ الطاف حسین حالی، حیات جاوید، لاہور، 1984ء ص 144 مزید دیکھئے
احمد سید بحوالہ سابقہ ص 50

۱۲۔ رچرڈ سمنڈر:۔ The Making of Pakistan (س۔ن)(م۔ن) ص 32

۱۳۔ شفیق علی خان، Two Nation Theory کراچی 1958ء ص 421 تا 22
مزید دیکھئے: شریف الدین پیرزادہ ص 372 تا 87
مزید دیکھئے: حسن ریاض ص 250 تا 55

۱۴۔ سید آصف علی رضوی۔ جنوبی ایشاء میں ہندو مسلم کشمکش کا تجزیاتی مطالعہ
مجلہ علوم اسلامیہ دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور 2001

۱۵۔ مولانا سید ابوالحسن ندوی۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
مجلس نشر واشاعت اسلام، کراچی 1976ء ص 121

۱۶۔ میاں طفیل محمد۔ جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد، لاہور 2001ء ص 56 تا 71

۱۷۔ رئیس احمد جعفری (ندوی)، اسلامی جمہوریت، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور جون 1968ء


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



۱۸۔ مولانا سید ابوالحسن ندوی، ص122

۱۹۔ مسلم لیگ کا دور حکومت: ڈاکٹر صفدر محمود، لاہور

۲۰۔A عبداللہ ملک، بنگال مسلمانوں کی صد سالہ جدوجہد، آزادی۔ لاہور ص18 تا 54

۲۰۔B بحوالہ مولانا سید ابوالحسن ندوی ص123 تا 124

۲۱۔ اسرار احمد، استحکام پاکستان، لاہور مارچ 1984ء ص 21

۲۲۔ ایضاً ص 22

۲۳۔ اخبار اردو، (ماہنامہ) اسلام آباد ستمبر 2006ء ص4

۲۴۔ بحوالہ اسرار احمد ص17

۲۵۔ مصطفیٰ حسین دہلوی، اسلامی جمہوریت، آئینی تجاویز و تبصرے
کراچی 1970ء ص23

۲۶۔ سید اسعد گیلانی، ''رسول اللہ کی حکمت انقلاب''
ادارہ ترجمان القرآن، لاہور 1981ء ص556

۲۷۔ ڈاکٹر محمد سرور، اسلام اور جدید ریاستی نظام، مکتبہ تعمیر انسانیت۔ لاہور

۲۸۔ ایضاً، ص126

۲۹۔ گوہر رحمن، ''اسلامی ریاست'' دارالعلوم تفہیم القرآن
مردان۔ المبارک بک سینٹر لاہور۔ 1982ء ص81

۳۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، مرتبہ خورشید ''اسلامی ریاست''
اسلامک پبلی کیشنز لاہور، 1977ء ص486

۳۱۔ بحوالہ، مولانا سید رئیس احمد جعفری، (ندوی)، ص40 تا 50

۳۲۔ ایضاً، ص۔52

۳۳۔ بحوالہ ڈاکٹر محمد سرور، ص۔ 13

© rasailojaraid.com